اقبال اور مفتی عالم جان بارودی

ڈاکٹر تنظیم الفردوس

جدید دنیائے اسلام کے تشکیلی دور کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہوئے جو بہت اہم عرصہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر اور سولھویں صدی کے اوائل کا عرصہ ہے۔ اس پورے عرصے میں ایک جانب تو تاتاریوں کے اثرات نمایاں ہیں۔ دوسری جانب ترکی میں عثمانی سلطنت کا قیام اور پھیلاؤ۔ تیسری جانب ایران میں صفوی حکومت کا قیام اور استحکام اور چوتھی جانب ہندوستان میں ۱۵۲۶ء میں مغل حکومت کا قیام بے حد اہم واقعات گنے جاسکتے ہیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مغرب کی دنیا بھی نئے اور انقلابی واقعات کا مرکز تھی۔ نئے جغرافیائی انکشافات، جدید سمندری راستوں کی دریافت، تجارت کا فروغ اور صنعتی انقلاب کی جانب بڑھتے قدم ایسے واقعات تھے جن کی مدد سے یورپ اسلامی اقتدار کے حلقے ونرغے سے نکل کر اسلامی دنیا کو اپنے حلقے ونرغے میں گھیر رہا تھا۔ گھیراؤ کا یہ عمل اسپین میں اسلامی قوت کی شکستگی کے ساتھ شروع ہوا۔ اس کی تکمیل کی صورت یوں ہوئی کہ انیسویں صدی کے وسط میں عظیم الشان مغلیہ سلطنت نے

برطانوی استعمار کے آگے ہتھیار پھینک دیے۔ کچھ ہی عرصے میں "ترکی" کا مردِ بیمار بھی دم توڑ گیا۔

یورپ نے نشاۃ الثانیہ کے مرحلے سے گزرنے کے بعد جن جن علاقوں اور خطوں میں اپنا تسلط قائم کیا یا رابطہ استوار کیا وہاں محض سیاسی اقتدار کی بحالی ہی سے واسطہ نہیں رکھا بلکہ علمی اور فکری بنیادوں کو کچھ اس طرح متاثر کیا کہ وہاں:

> مادیت، قومیت، مذہب و سیاست کی علیحدگی اور آزادی فکر و عمل، جو جدید یورپی تصورات کے اہم عنوانات تھے، اسلامی ممالک میں پھیلنے لگے اور ایک عام نظریاتی کشمکش کا باعث بنے۔ [1]

اسی عرصے میں یورپ کے بعض علاقوں اور روس میں کمیونزم یا اشتراکیت کا تصور ایک اہم عامل کی صورت میں ابھرا اور اس نے بڑے پیمانے پر اسلامی دنیا کو اقتصادی اور قومی سطح پر متاثر کیا...... مسلم دنیا کے لیے ایک جانب تو مسائل کا یہ بوجھل پن تھا دوسری جانب مصلحین، مجاہدین اور رہنماؤں کی اصلاحی کوششوں، نت نئے افکار اور تحریکات امید کا پیش خیمہ بھی تھیں...... ان تحریکات میں سے کچھ تحریکیں اور افکار و نظریات اپنے اپنے علاقوں تک محدود رہے اور کچھ نے باہر نکل کر دنیائے اسلام کے ساتھ مضبوط رابطے استوار کرنے کی کوشش بھی کی۔

یہ وہ مختصر اور عمومی منظر نامہ ہے جس میں اقبال نے آنکھ کھولی اور ان کے شعور کی نشو و نما ہوئی۔ انھوں نے اپنا عرصۂ حیات نو آبادیاتی دور میں بسر کیا لیکن فطرتاً وہ آزاد منش، آزادی دوست اور رجائیت پسند تھے لیکن ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار پر فکر مند بھی تھے اور مسلم دنیا کی ابتری پر متفکر بھی۔ مسلم اُمّہ کی معاشی بدحالی، پس ماندگی کا حل ان کے خیال میں بلا امتیازِ رنگ و نسل امت مسلمہ کا اتحاد ہی ہوسکتا ہے۔ مسلم اقوام کی یک جائی کے علاوہ کوئی دوسری صورت انھیں پسندیدہ دکھائی نہیں دیتی۔ ابتدائے عمر میں وہ ایک پر جوش جغرافیائی قوم پرست تھے لیکن قیام یورپ نے ان کے خیالات میں انقلابی تبدیلی پیدا کردی اور وہ قومیت کی بنیاد پر تشکیل پذیر کسی بھی

اتحاد کے مستقبل سے نا امید یہاں تک کہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد قائم ہونے والی مجلسِ اقوام League of Nations کو" کفن چور" ۲؎ قرار دیتے ہیں۔

روس میں پیدا ہونے والی اشترا کی قوت ایک نظریاتی ولولے کے ساتھ ابھری اور کچھ عرصے کے لیے اقبال نے اس قوت کے لیے خیر مقدمی انداز اختیار کیا......لیکن آگے چل کر اس انقلاب نے جو صورت اختیار کی اقبال نے ان نتائج کا اندازہ اس کے دورِ عروج میں ہی کر لیا تھا......اس عرصے میں اقبال کی رجائیت پسند طبیعت کبھی وسط ایشیا کے مسلمانوں کی تعلیمی اور فکری انقلاب سے اپنی امیدیں وابستہ کرتی ہے تو کبھی وہ افغانوں کی شجاعت اور بہادری کے پس منظر میں بیداری کی لہروں کو ابھرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ''ترک'' وسطی ایشیا کے لیے امید کا مرکز تھے اس لیے اقبال وسط ایشیا میں ترکوں کے اتحاد کے بارے میں فکر مند رہتے تھے اور اس سلسلے میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد روسی مسلمانوں کی جدو جہد اور استعمار کے خلاف مزاحمت کو اقبال قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایک خط میں لکھتے ہیں:

ایشیا کی مسلم اقوام کی حرکت بھی کم حیرت انگیز نہیں ۳؎

اقبال کی بصیرت افروزی اسباب وعلل کے تناظر میں یہ بات سمجھتی تھی کہ ۱۷۹۹ء میں سری رنگا پٹم کے مقام پر ٹیپو سلطان جیسے جری اور بہادر سپاہی کا انجام ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کی انتہا تھا۔ اس کے بعد کی کوششیں اس زوال کے خلاف ردعمل کی صورتیں ہی ثابت ہوئیں ......لیکن اقبال کو اطمینان اس بات کا تھا کہ مسلم دنیا اور مسلم ہندوستان دونوں ہی میں جلد اس قوتِ اسلامی یعنی اتحاد کی ضرورت کو سمجھ لیا گیا اور دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ عالمِ اسلام اپنے اعمال، افعال اور کردار کے موازنے و مقابلے کے لیے تیار ہے۔ لہٰذا جہاں جہاں اقبال کو فکرِ اسلامی کے احیا اور ترویج کے لیے اٹھتے قدم دکھائی دیتے ہیں اقبال ان کی توصیف کرتے ہیں خواہ وہ اٹھارویں صدی میں نجد کے محمد ابن الوہاب ہوں جنھیں اقبال "جدید اسلام میں زندگی کی پہلی تڑپ" ۴؎ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یا انیسویں صدی میں ہندوستان کے سر سید احمد خان، افغانستان

کے سید جمال الدین افغانی اور روس کے مفتی عالم جان بارودی ہوں۔ سر سید اور عالم جان بارودی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں کہ:

> یہ عصرِ جدید کے پہلے مسلمان تھے جنھوں نے آنے والے دور کی جھلک دیکھی تھی اور یہ محسوس کیا تھا کہ ایجابی علوم اس دور کی خصوصیت ہیں۔ نیز روس میں مفتی عالم جان نے مسلمانوں کی پستی کا علاج جدید تعلیم کو قرار دیا۔ ۵

حقیقت تو یہ ہے کہ بیسویں صدی میں دنیائے اسلام نے جن بڑی شخصیات کی فکر، پیغام اور شخصیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے ان میں اقبال سب سے نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ اقبال اور دنیائے اسلام کے تعلق کا جائزہ لیتے ہوئے ہم کسی ایک رُخ سے اقبال کی عظمت کا درست معیار مقرر نہیں کر سکتے۔ دراصل فکرِ اقبال نے دنیائے اسلام میں برپا ہونے والی ہر تحریک سے کسی نہ کسی نوع کا اثر قبول کیا ہے بلکہ بعض تحریکات جو عہدِ اقبال میں نو خیز تھیں لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو ان کے امکانات فکرِ اقبال میں پوشیدہ یا ظاہر ہیں یا ان سے متعلق اقبال کی دلچسپی کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہے۔ لیکن فکرِ اقبال کی ہمہ گیریت کا دوسرا اور بے حد اہم پہلو یہ ہے کہ " دنیائے اسلام کے دیگر ممالک میں اور وہاں کے افکار و تحریکات پر بھی ان کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں"۔ ۶

یہی وجہ ہے کہ اقبال کو ان کی فکر اور پیغام کے لحاظ سے بیسویں صدی میں دنیائے اسلام کی سب سے اہم اور موثر شخصیت قرار دیا جاتا ہے۔ اقبال کی اسی اثر انگیز شخصیت نے وسط ایشیا میں سمرقند و بخارا کی علمی حیثیت کی بحالی کے لیے کوشاں مفتی عالم جان بارودی کی مساعی کی قدر دانی بھی کی۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضروری باتیں مفتی عالم جان بارودی کے بارے میں عرض کر دی جائیں۔

مفتی عالم جان بارودی ۱۸۵۷ء میں قازان کے ایک نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے ۷

جس علاقے میں وہ پیدا ہوئے اس کے قریب ہی ایک بارود خانہ تھا اور ان کا محلہ اسی نسبت سے بارود خانہ کا مضافات کہلاتا تھا...... عالم جان اسی نواح کی نسبت سے بارودی کہلائے (واضح رہے کہ بارود کا لفظ ترکی زبان سے لیا گیا ہے)۔ بعد میں عالم جان کے والد قازان شہر منتقل ہو گئے۔ وہ جوتوں کی تجارت کرتے تھے۔ ۸ لیکن انھوں نے اپنے لڑکے کو عالم بنانا چاہا اور ان کو قازان کے ایک مدرسے میں داخل کر دیا۔ اس زمانے میں اسلامی علوم کی تعلیم کا سب سے برا مرکز بخارا تھا لہٰذا عالم جان بارودی مزید تعلیم کے لیے بخارا منتقل ہو گئے......۱۸۸۱ء میں تکمیل علوم کے بعد قازان واپس آ گئے ......ابتداً امامِ مسجد کی حیثیت سے فرائض ادا کیے۔

اشتراکی روس کی تشکیل سے قبل سلطنتِ روس کے وسیع و عریض علاقے میں مسلمان نمایاں تعداد میں موجود تھے اور بعض ریاستیں واضح مسلم اکثریت پر مبنی تھیں لیکن عیسائی حکمرانوں کے زیرِ تسلط کم و بیش ہر دور میں مسلم اقلیت پر زیادتی اور جبر و تشدد کا ہر طریقہ روا رکھا گیا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات بقرعید کی قربانی ممنوع قرار دی گئی۔ سفرِ حج کو منظم کرنے کے بہانے حاجیوں کی تعداد محدود کر دی گئی۔ ۹

زاروں کے عہد میں اٹھارویں صدی میں علمی محاذ سے مسلمانوں کی فکر اور تہذیب پر حملے شروع کیے گئے۔ عیسائیت کی تبلیغ کی مہم کبھی نرمی و عاجزی اور کبھی تشدد کے ساتھ جاری رہی لیکن نسلی عصبیت کو فروغ دے کر مسلم آبادی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش سب سے خطرناک تھی اور طویل عرصے تک روسی حکمران اور آرتھوڈوکس مشن اس کوشش میں مصروف رہے...... اٹھارویں صدی کے اواخر میں کیتھرین دوم نے پہلی مرتبہ تشدد کی پالیسی ترک کر کے مسلم آبادی کو مذہبی آزادی اور مراعات فراہم کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۰

اس بظاہر مہربانی کے پیچھے ایک منظم فکر کام کر رہی تھی جس کے مطابق مسلم مقبوضہ علاقے کو تین حلقوں میں تقسیم کر کے ان کی مذہبی اور علمی نگرانی کے لیے سرکاری مولوی مقرر کیے گئے۔ اس عمل سے مسلمانوں میں بخارا اور عثمانی ترکوں سے روحانی وابستگی کا رشتہ کمزور پڑنے لگا

جب کہ اس سے قبل یہ رشتہ مضبوط بنیادوں پر استوار تھا۔ اس طرزِ عمل کے تسلسل کے خلاف پہلے پہل مقبوضہ ترک آبادی نے اتحاد کی ضرورت کو محسوس کیا لیکن ان کی یہ کوشش مسلم اتحاد کے بجائے ترک عصبیت کی راہ پر نکل گئی۔ انیسویں صدی میں ترکوں کو صحیح معنوں میں یہ احساس ہوا کہ اس طرزِ عمل کے نتیجے میں وہ تعلیمی میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

یہی وہ زمانہ تھا جب قازان کے ترکوں میں جدید تعلیم کی تحریک نے زور پکڑنا شروع کیا تھا اور عالم جان نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ اس سے قبل یہ تحریک مسلم اکثریت کے دیگر علاقوں میں اپنا کام شروع کر چکی تھی۔ اس تحریک کے بنیادی مقاصد میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو جدید خطوط پر استوار کرنا تھا۔ اس تحریک میں نصاب اور طریقۂ تدریس میں ترامیم و اصلاحات کی ضرورت پر زور دیا گیا، اساتذہ کی معاشی فلاح کو پیشِ نظر رکھا گیا، اور لڑکیوں کی باقاعدہ تعلیم کو بھی اہم سمجھا گیا۔ اسی وجہ سے اس تحریک کو اصولِ جدید کی تحریک کہا گیا۔ ١١

روس بھر میں قدامت پرست حلقے کی جانب سے اس تحریک کی سخت مذمت اور مخالفت کی گئی...... لیکن رفتہ رفتہ جدید تصورات تمام صوبوں میں عام ہونے لگے اور واقعہ یہ ہے کہ مفتی عالم جان بارودی کی کوششوں اور مساعی کے نتیجے میں اس تحریک کو حقیقی تقویت قازان میں ملی۔ ١٢

عالم جان بارودی نے اپنی عملی زندگی کے آغاز سے ہی اس تحریک کی حمایت کی اور قازان میں نظامِ تعلیم کی اصلاح کے لیے مخلصانہ کوششیں شروع کیں۔ سب سے پہلے انھوں نے مختلف علاقوں کے اصلاح یافتہ اداروں کا دورہ کیا، نصاب اور طریقۂ تدریس کو اچھی طرح سمجھا۔ دوسرے مرحلے پر مختلف علاقوں میں نظامِ تعلیم کے کارپردازان اور علماء کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی اور بالآخر عالم جان بارودی قازان شہر میں جدید طرز کے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس مدرسے کا نام انھوں نے ''مدرسہ محمدیہ'' رکھا۔ اس مدرسے کے نصاب میں وہ علوم بھی شامل تھے جنھیں اس وقت بہت سے ملکوں کی اسلامی درسگاہیں نظر انداز کر دیتی تھیں۔ قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ کے ساتھ عربی زبان و ادب بھی توجہ کے ساتھ سکھائے

جاتے تھے۔ ان کے علاوہ طبیعات، ریاضی، تاریخ اور جغرافیے جیسے علوم بھی داخلِ نصاب ہوئے۔ روس کی سرکاری زبان روسی تھی اور مسلمانوں کی قومی زبان ترکی۔ لہٰذا مدرسے میں دونوں زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مفتی عالم جان بارودی نے اس مدرسے میں تدریس کے لیے ماسکو، سینٹ پیٹرزبرگ اور یورپی درسگاہوں کے فارغ التحصیل اساتذہ کو بلایا۔ مسلم اکثریتی علاقوں کے دولت مند مسلمانوں کی مالی اعانت سے مفتی عالم جان نے؛

> قازان کو مدارس، زنانہ مکاتب، مطابع اور دیگر علمی وعملی ترقیوں کا مرکز بنا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک یورپین مدیر نے یہ شہادت دی کہ پادری پرست روسی عیسائیوں سے روسی مسلمان زیادہ یورپین ہیں۔'' ۱۳

مفتی عالم جان بارودی کے اس مدرسے کی شہرت اتنی پھیلی کہ یہاں صرف قازان اور ایدل یورال کے علاقوں سے ہی طالبانِ علم نہیں آتے تھے بلکہ شمالی قفقاز، سائبیریا اور ترکستان کے طلبہ بھی تعلیم حاصل کرنے آنے لگے۔ ۱۴

پڑھے لکھے اور تربیت یافتہ اساتذہ کو دعوت دے کر تدریس کے لیے بلانے کے علاوہ مفتی عالم جان نے اساتذہ کی مناسب، موزوں اور مستقل تربیت پر بھی توجہ دی۔ اس کے علاوہ جدید خطوط پر درسی کتب کی تیاری پر بھی توجہ رکھی۔ دوسروں سے بھی اس ضمن میں کتابیں لکھوائیں اور خود بھی زیرِ تربیت اساتذہ اور طالب علموں کے لیے کثرت سے درسی کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۵ روس میں دراصل یہ اس خواب کی تعبیر تھی جو سو برس پہلے کے روسی علماء مثلاً مصنف اور معلم حسین فیض خان نے اس قسم کی درس گاہ بنانے کا دیکھا تھا۔ ۱۶

قازان میں عالم جان بارودی کا قائم کردہ مدرسہ ۱۹۰۵ء تک قائم رہا اس کے بعد اسی سال روس میں آنے والے انقلاب کے نتیجے میں آزادی اظہار کے نئے راستے کھلنا شروع ہوئے۔ مسلم مدرسوں کے فارغ التحصیل طلبہ مشرق ومغرب کی کشمکش میں مبتلا ہو کر تشکیک کا شکار ہونے لگے...... یہ انتشارِ ذہنی اس نظامِ تعلیم کا لازمی نتیجہ تھا کیوں کہ اس کے تحت دینی تعلیم تو ضرور

دی جا رہی تھی لیکن جدید علوم اور سائنسی تعلیم کے لیے مغرب کے استفادے کو براہ راست نصاب میں شامل کرلیا گیا تھا۔ اور اکثر مغربی سائنسی نظریے اسلام کے بنیادی تصورات سے متصادم تھے۔ نتیجتاً ''مدرسہ محمدیہ'' کے نوجوان طالب علم بھی مدرسوں کے انتظام اور مسلمان معاشرے کے مختلف پہلوؤں سے متعلق انتہا پسندانہ اصلاحات کا مطالبہ کرنے لگے ۱۷

منتظمین اس مطالبے کو پورا نہ کر سکے جن میں عالم جان بارودی بھی شامل تھے لہٰذا طالب علموں نے احتجاج کا راستہ اختیار کیا اور کچھ تو ادارہ چھوڑ کر چلے گئے، کچھ معتدل مزاج نوجوانوں کو مزید تعلیم کے لیے عالم جان بارودی نے استنبول بھیج دیا جنھوں نے وہاں امتیازی حیثیت حاصل کرلی۔

"مدرسہ محمدیہ" سے بغاوت کر کے نکلنے والے طالب علموں نے بعد میں مختلف علمی حیثیتوں سے نمایاں مقام حاصل کیا لیکن روس میں عالم جان بارودی کی مشکلات میں بے حد اضافہ ہوگیا۔ انھوں نے مسلم علماء کے قدامت پرست گروہ کی مخالفت مول لے کر تعلیم جدید کی بنیاد رکھی تھی لہٰذا یہ گروہ شدت سے ان کا مخالف تھا۔ زار کی حکومت میں ان کا مدرسہ اور اس کا نظام پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا تھا اس کے مقابلے پر روسی حکومت قدیم طرز کے اسلامی مدرسوں سے قطعاً خائف نہیں تھی کیوں کہ وہاں دی گئی تعلیم انقلابی اور احتجاجی خیالات کی پرورش کا سبب نہیں بنتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم جدید کے تصور نے روسی حکومت کو ''مدرسہ محمدیہ'' کی جانب سے مشکوک کر دیا...... بعض قدامت پرستوں نے مخالفت میں عالم جان بارودی کی جاسوسی شروع کر دی اور حکومت نے ان کو گرفتار کر کے سائبیریا بھیج دیا۔

۱۹۱۷ء میں اشتراکی انقلاب کے بعد روسی مسلمانوں نے اپنی بچی کھچی قوت اجتماع کو بروئے کار لا کر اور علاقائی عصبیتوں کے دائرے سے نکل کر سلطنتِ روس میں مسلم اتحاد کی کوششیں شروع کر دیں اور کچھ ہی عرصے میں ماسکو میں روسی مسلمانوں کی پہلی کانگریس کا اجتماع ہوا۔ ۱۸ اس اجتماع میں نئی اشتراکی حکومت سے مسلمانوں کی اس مذہبی نظامت کی از سرِ نو تشکیل کا مطالبہ کیا گیا جو ملکہ کیتھرائن دوم کے زمانے سے قائم تھی۔ اس مطالبے کے ساتھ ہی اس کانگریس کے مندوبین نے اتفاق رائے سے عالم جان بارودی کو دینی نظامت کا مفتی اور رئیس منتخب کیا ۱۹ اور

دیگر اراکین کا انتخاب بھی کیا گیا۔ جب جولائی ۱۹۱۷ء میں قازان میں مسلمانوں کی دوسری کانگریس ہوئی تو مسلم اکثریتی علاقوں مثلاً ایدل یورال، قازان اور باشقر دستان کے علاقے میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس ریاست میں مذہبی امور کا سربراہ مفتی عالم جان بارودی کو مقرر کیا گیا۔[۲۰] لیکن اشتراکی حکومت نے اسے زیادہ دیر برداشت نہیں کیا اور مارچ ۱۹۱۸ء میں اس حکومت کو ختم کر دیا۔

مقامی کمیونسٹ رہنماؤں کی دخل اندازی کے نتیجے میں ترک قوم پرستی کی تحریک کو روک دیا گیا اور جیسا کہ ذکر ہوا اپریل ۱۹۱۸ء میں علاقائی حکومتوں کے نظام کو ختم کر دیا گیا صرف مذہبی امور کی نظامت کو اس شرط پر باقی رہنے دیا گیا کہ وہ سیاست میں ملوث نہیں ہوگی...... مقامی مسلم رہنماؤں کا خیال تھا کہ اس قسم کا فیصلہ مقامی کمیونسٹ انتہا پسندوں کا ہے لہٰذا مسلمانوں نے ایک کمیٹی تشکیل دے کر ماسکو کا مئی ۱۹۱۸ء میں دورہ کیا...... اس کمیٹی کے ایک رکن مفتی عالم جان بارودی بھی تھے۔ [۲۱]

اس کمیٹی نے ماسکو میں اعلیٰ عہدیداروں سے ملاقات کر کے اپنے مطالبات کی فہرست پیش کی۔ ان لوگوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے قومی اداروں میں سرکاری مداخلت کا خاتمہ ہو۔ اس سے پہلے ترک، تاتار اور باشقر گروہ، قازان میں ایک جلسہ کر کے اپنی قومی، ثقافتی اور ملی وحدت کا اعلان کر چکے تھے...... انھوں نے اپنے مطالبات میں اس بات کی وضاحت بھی کی کہ مذہب پر عمل کی آزادی مسلمانوں کے لیے سب سے اہم مسئلہ ہے اور ان مطالبات کے پسِ پشت کوئی سیاسی مقاصد نہیں ہیں۔ اس یادداشت میں بتایا گیا تھا کہ سوویت حکومت نے ریاست کو مذہب سے علیحدہ کرنے کا جو اعلان کیا ہے اس کے نتیجے میں مسلم آبادی کو اپنے اسکول اور ادارے چلانے میں دشواری پیش آرہی ہے...... مسلم رہنماؤں کی ان کاوشوں کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا۔ رفتہ رفتہ بعض مسلم دانشور بالشویک ہونے کا اعلان کرنے لگے اور سوویت حکومت اپنی مرضی کے لوگوں کو مسلم اداروں میں تعینات کرنے لگی...... جب ۲۴ مارچ ۱۹۱۸ء کو ''تاتار، باشقر سوویت ریپبلک'' کے نام سے نئی ریاست کے قیام کا اعلان ہوا تو مسلم آبادی کے اکثریتی علاقوں میں خانہ جنگی

شروع ہوگئی جسے سختی سے دبا دیا گیا۔

کشمکش کے زمانے میں مفتی عالم جان نے سیاسی معاملات سے اپنے آپ کو ہر ممکن طور پر علیحدہ رکھا لیکن ۱۹۱۹ء میں اس علاقے پر مکمل تسلط کے بعد کمیونسٹ حکومت نے عالم جان کو اوقاف سے دیگر اراکین کے ساتھ گرفتار کر لیا اور نظامت کو توڑ دیا۔ اسی سال کے اواخر میں آپ کو رہا کر کے مذہبی نظامت کی بحالی کا فیصلہ کیا گیا لیکن اس کے اختیارات محدود سے محدود تر کر دیے گئے۔ پہلے بھی زار کی حکومت اس نظامت کی شدید اور کڑی نگرانی کرتی تھی اور اب کمیونسٹوں نے بھی اسے محض اپنے مفادات کے حصول کے لیے ایک ذریعہ بنانے کی کوشش کی۔ ایسی صورت میں اس ادارے سے وابستگی ایک دشوار بات تھی لیکن مفتی عالم جان مسلمانوں کی خدمت اور ان کے مفادات کے ممکنہ تحفظ کی خاطر اس ادارے سے منسلک رہے۔ لیکن جیسے ہی ان علاقوں میں کمیونسٹوں کا اقتدار مستحکم ہوا انھوں نے اس نظامت کو ختم کر کے اس کی جائیداد ضبط کر لی۔ ۱۹۲۱ء میں مسلم علاقوں میں شدید قحط کی تکالیف میں امداد کی فراہمی کی غرض سے مفتی عالم جان بارودی ماسکو گئے لیکن قضائے الٰہی سے وہیں ۶ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ان کا انتقال ہو گیا [۲۲]

حالاں کہ وہ روس کی اشتراکی حکومت میں ایک علاقائی نظامت کے سربراہ رہ چکے تھے لیکن ان کی موت اشتراکی روس کے لیے اطمینان کا سبب بنی لیکن روس سے باہر اسلامی دنیا میں اس واقعے کو حادثہ سمجھا گیا۔ ترکی کے اخبارات نے تعلیمی میدان میں مفتی عالم جان بارودی کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا...... ترکی اخبارات کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی عالم جان بارودی اور روسی مسلمانوں کی جدوجہد اور کوششوں کی خبر ہوتی رہتی تھی ...... اسی ذریعے سے اقبال کو بھی ان کے تفصیلی حالات کی جستجو تھی اور انھوں نے چاہا کہ سید سلیمان ندوی کو لکھیں کہ وہ ''معارف'' میں مفتی عالم جان کے حالات قلم بند کریں۔ لیکن اسی اثناء میں مئی ۱۹۲۲ء کے شمارے میں ''معارف'' میں ''علمائے روس'' کے عنوان سے جو مضمون چھپا اس میں روسی مسلمانوں کی جدوجہد کا تعارف پیش کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی نے چند اور اکابرین کے ساتھ مفتی عالم

جان بارودی کی خدمات اور کوششوں کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا۔ ان کا مطالعہ کر کے اقبال سید صاحب کو لکھتے ہیں:

آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا،

جزاک اللہ ۲۳

سید سلیمان ندوی نے اپنے اس مضمون میں وسط ایشیا کے مسلمانوں میں بڑھتی اتحاد کی تحریک کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ نفاق و انتشار کے بیج کی بیخ کنی شروع کرنے کا خیال ممالک اسلامیہ میں مستحکم ہو رہا ہے۔ سید سلیمان ندوی کے اس مضمون اور اقبال اور سید صاحب کی خط و کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں مسلم اکابر اس امر کی اہمیت کو سمجھتے تھے کہ مختلف مسلم ممالک کے علماء اور مصلحین کے کارناموں پر مبنی معلومات کا تبادلہ بھی ضروری ہے۔ اقبال کو مستقل یہ جستجو تھی کہ مفتی عالم جان بارودی کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب تھا۔ ۲۴

اس مضمون میں گزشتہ صفحات پر روس میں مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ پیش آنے والے جن عمومی مسائل و معاملات کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ہمیں اس امر کا علم بخوبی ہوتا ہے کہ روس میں مسلم عوام کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ مختلف نسلی قوتیں کسی ایک مقام اتحاد پر متفق ہو کر شعارِ اسلام کے بقاء کی ضمانت دے سکیں...... یوں تو زاروں کے عہد میں بھی روس کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے لیکن کمیونسٹ انقلاب کے بعد مذہب کو یکسر ریاست سے دیس نکالا دینے کا اعلان کیا گیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے ایک جانب تو لادین بالشویک کارکن اداروں اور افراد کو پامال کرنے لگے اور دوسری جانب حکومت ریاستی اداروں کی تشکیلِ نو کے نام پر اداروں کو اپنے مقاصد کا تابع بنانے میں مصروف ہوگئی۔ سخت ابتلا اور مصیبت کا عرصہ روس کے مسلمانوں پر آیا تھا اور اس عرصے میں ہر ممکن کوشش مفتی عالم جان بارودی اور ان کے ساتھیوں نے کی اور اس تناظر میں ان حضرات کی کوششوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سید

سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ :

اس ملک میں اسلام کا قائم رہنا اور اس کا سر سبز و شاداب ہونا اور ترقی کرنا انہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں۔ ۲۵

جبکہ اقبال کی رجائیہ طبیعت اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتی ہے کہ "جو قوم ایک مشن لے کر پیدا ہوئی ہے اس کی روحانی تربیت کے لیے ابتلا کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں"۔ ۲۶ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں؛

میرے دل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے...... یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کر لے۔ ۲۷

وہ دوسری راہ یقیناً دین سے دوری اور غیر اسلامی تصورات کی ہے جس کا خدشہ اقبال کو مسلم نوجوانوں کی بابت تھا اور ان کا یہ خدشہ بے جا بھی نہیں تھا۔ ان کے اپنے مشاہدے میں ایسے نوجوان آئے تھے جو دنیاوی علوم سے بہرہ مند لیکن دین سے بے بہرہ تھے۔ جس کا اقبال بے حد دکھ محسوس کرتے تھے۔

اسی وجہ سے اقبال ہر قسم کے عصری رویے اور فکری رجحان کا مطالعہ بالاستیعاب کرتے ہیں اور گہرا جائزہ لے کر تجزیہ کر کے نتائج کے اخذ تک پہنچتے ہیں۔ سیاسی، معاشی، فلسفیانہ، عقائدی، غرض اپنے دور میں برپا ہونے والے کسی فکری رویے سے اقبال بے نیاز نہ رہ سکے لیکن جو نتیجہ انھوں نے اخذ کیا وہ یہ تھا کہ دنیا عہدِ موجود میں کشمکش کے بڑے مرحلے سے گزر رہی ہے، جمہوریت کا فنا اور اکثر جگہوں پر آمریت کا قیام دکھائی دیتا ہے، سرمایہ داری کے خلاف ردعمل بڑے پیمانے پر پیدا ہو چکا ہے لیکن اقبال کو یہ اطمینان نہیں کہ نسلِ انسانی کسی بڑے فیصلے پر پہنچ چکی ہے لہٰذا وہ نظام عالم کی تشکیل نو ۲۸ کے خواہش مند ہیں

تشکیل نو کے اس مرحلے پر وہ اسلام کی پر اثر قوت کو بنیادی محرک بنانے کے خواہش مند ہیں۔ اسی مقصد کے لیے وہ اتحاد بین المسلمین کی ضرورت پر توجہ رکھتے ہیں لیکن انھیں اس امر سے بھی اطمینان ہوتا ہے اگر مختلف ممالک میں علاقائی ضرورتوں کے پیش نظر بکھرے ہوئے مسلمان یکجا ہوسکیں۔ کیوں کہ ان کو یہ امید ہے انہی کوششوں کے نتیجے میں دنیا کسی عظیم الشان انقلاب کا مشاہدہ کرسکتی ہے.........عرب و عجم کے تمام عملی رجحانات کے جائزے سے اقبال اپنے آدرشوں کو تازہ کرتے رہے ماضی کے طویل تخیلاتی سفر نے کبھی اقبال کو مستقبل کی روشن امیدوں سے مایوس نہ ہونے دیا جب وہ کہتے ہیں؛

آب روانِ کبیر، تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب ۲۸؎

تو رفیع الدین ہاشمی صاحب کے خیال میں؛

یہ خواب بہ یک وقت امت مسلمہ کی بیداری، انسانیت کی فوز و فلاح اور نظام عالم کی تشکیلِ نو کا خواب تھا۔ ۲۹؎

جیسا کہ ذکر کیا گیا اقبال اس خواب کی تکمیل کے لیے مسلم امہ کے کلیدی کردار کے بارے میں پر امید ہیں کیوں کہ اس امت کے پاس ایک ایسا اخلاقی ضابطہ موجود ہے جو صحیح راستوں سے بھٹک جانے والے پریشان حال انسانوں کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے اور جہاں جہاں اقبال کو یہ نظر آیا کہ مسلم رہنما عوام اس ضابطے کی قوت کو کام میں لاکر دنیا پر اپنا وجود ثابت کر رہے ہیں اقبال نے ان افراد کی تحسین کی......لہٰذا مفتی عالم جان بارودی کی خدمات اور مساعیِ جمیلہ سے دلچسپی ایک جانب تو تحسین کا رخ پیش کرتی ہے اور دوسری جانب اقبال کی خوش امید اور رجائیہ طبیعت کا عکس بھی ہے۔ اقبال عالم جان کی مساعی کو تعلیمی اصلاح کی تحریک سے آگے کی کوئی

چیز سمجھ رہے تھے اور ترکوں کی بہادری سے ان کو ایک اہم کردار کی ادائیگی کی توقع تھی۔ آج جب ہم وسط ایشیا میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کو دیکھتے ہیں تو سوویت یونین کی قریباً اسی برس کے ظلم کا جوا اتار پھینکنے کے بعد افکارِ اقبال ان کی فارسی شاعری کے روپ میں تاجکستان اور ملحقہ علاقوں میں گونج رہے ہیں اور اقبال کی فکر کی اس ہمہ گیریت کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں جو آنے والے ہر دور میں امتِ مسلمہ کے مسائل کے حل کے لیے برپا ہونے والی کسی تحریک میں فکر اقبال کی بازگشت کی صورت میں موجود ہے۔

حواشی

۱۔ "اقبال اور جدید دنیاے اسلام" ڈاکٹر معین الدین عقیل، ۱۹۸۶ء ص ۲۲
۲۔ "پیامِ مشرق" ص ۱۹۳
۳۔ مکتوب بنام اکبر منیر مشمولہ "اقبال نامہ جلد اول" ص ۱۶۳
۴۔ "حرف اقبال" مرتبہ لطیف احمد خان شروانی، ص ۱۶۱
۵۔ ایضاً
۶۔ "اقبال اور جدید دنیائے اسلام" ڈاکٹر معین الدین عقیل۔ ص ۱۳
۷۔ سید سلیمان ندوی نے معارف میں شائع ہونے والے مضمون میں عالم جان کا سنِ پیدائش ۱۸۵۶ء تحریر کیا ہے جب کہ ثروت صولت، اپنی کتاب "روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں" میں عالم جان کا سن پیدائش ۱۸۵۷ء درج کرتے ہیں۔
۸۔ "روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں" ثروت صولت ص ۲۴
۹۔ "مسلم امہ: سوویٹ روس میں" آباد شاہ پوری، ص ۳۴
۱۰۔ ایضاً ص ۳۵
۱۱۔ "روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں" ثروت صولت ص ۲۴
۱۲۔ ایضاً ص ۲۴

۱۳۔سید سلیمان ندوی ''معارف''،اعظم گڑھ،مئی ۱۹۲۲ء ص ۳۳۱
۱۴۔"روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں"ثروت صولت ص ۲۵
۱۵۔ایضاً ص۲۶
۱۶۔ایضاً ص۲۶
۱۷۔ایضاً ص۲۶
۱۸۔" کیمبرج ہسٹری آف اسلام" کے ص ۶۶۷ پر اس کانگریس کے پہلے اجلاس کی تاریخ یکم مئی ۱۹۱۷ء درج ہے۔
۱۹۔"تاریخ سلطنتِ مسلمانانِ روس" مزمل یلیسن ص ۷۱
۲۰۔"روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں"ص ۲۹ ؛ نیز" کیمبرج ہسٹری آف اسلام"ص ۶۳۰
۲۱۔" کیمبرج ہسٹری آف اسلام" ص ۶۳۰
۲۲۔ ایضاً ص ۶۳۵
۲۳۔مکتوب بنام سید سلیمان ندوی"اقبال نامہ جلد اول" ص ۱۱۸
۲۴۔ایضاً ص ۱۲۹
۲۵۔ سید سلیمان ندوی"معارف" مئی ۱۹۲۲ ص ۳۳۳
۲۶۔مکتوب بنام سید سلیمان ندوی "اقبال نامہ،جلد اول" ص ۹۸
۲۷۔ایضاً ص ۱۵۵
۲۸۔"اقبال نامہ جلد اول" ص۱۸۱
۲۹۔"اقبالیات: تفہیم و تجزیہ" ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ص ۸۴

اسنادِ محولہ

۱ اقبال اور جدید دنیائے اسلام	ڈاکٹر معین الدین عقیل	لاہور	۱۹۸۶ء
۲ اقبالیات: تفہیم و تجزیہ	ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	لاہور	۲۰۰۴ء
۳ اقبال نامہ (جلد اول)	شیخ عطاء اللہ	لاہور	1951ء
۴ تاریخ سلطنتِ مسلمانانِ روس	عزمل یٹیین	کراچی	۱۹۶۸ء
۵ حرفِ اقبال	مرتبہ لطیف احمد خان شیروانی	لاہور	۱۹۴۵ء
۶ روس کے مسلمان تاریخ کے آئینے میں	ثروت صولت	لاہور	۱۹۷۸ء
۷ علمائے روس	سید سلیمان ندوی	مشمولہ معارف اعظم گڑھ	مئی ۱۹۲۲ء
۸ کلیاتِ اقبال		شیخ غلام علی، لاہور	۱۹۷۳ء
۹ کیمبرج ہسٹری آف اسلام (جلد اول)		کیمبرج	۱۹۷۰ء
۱۰ مسلم امہ: سوویٹ روس میں	آباد شاہ پوری	اسلام آباد	۱۹۸۸ء